جاء الحق
وزهق الباطل ان الباطل کان زہوقا
حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
قادری پبلشرز لاہور
Butt
کاوش ۔ مولانا ارسلان
عطاری المدنی
ابو طیبہ ابراھیم عطاری

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

جَآءَ الْحَقُّ

وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

حصّہ اوّل

مُصنّف

حکیمُ الاُمّت مُفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃُ اللّٰہ علیہ

قادری پبلشرز

منظور منزل ۴۲، اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب	•••------•••	جاء الحق
مصنف	•••------•••	حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
اشاعت	•••------•••	فروری 2003ء
تعداد	•••------•••	گیارہ سو
کمپوزنگ	•••------•••	words maker Lhr.
باہتمام	•••------•••	غلام عبدالقادر خان
ناشر	•••------•••	قادری پبلشرز لاہور
قیمت	•••------•••	روپے

خاکش بدہن آپ کا دامن عفت گناہوں سے آلودہ ہوتو بتاؤ پھر آپ کا وسیلہ کون ہوگا؟ اور کس کے ذریعے آپ کی معافی ہوگی جو سب مجرموں کا وسیلۂ مغفرت ہو۔ ضروری ہے کہ وہ جرموں سے پاک ہو اگر وہ بھی گناہگار ہو تو پھر ترجیح بلا مرجح کا سوال پیدا ہوگا اور دور یا تسلسل لازم ہوگا۔

(۹) قیمتی چیز قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہے۔ موتی کا ڈبہ بھی قیمتی ہوتا ہے۔ سنہری زیورات کا بکس بھی قیمتی، دودھ کا برتن بھی ہر گندگی و ترشی سے محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ دودھ خراب نہ ہو جائے کارخانہ قدرت میں نبوت بڑی ہی انوکھی اور بے بہا نعمت ہے تو چاہیے کہ اس کا ظریف یعنی انبیاء کے دل کفر وفسق اور ہر قسم کی گندگی سے پاک وصاف ہوں اسی لئے رب نے فرمایا اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (الانعام:۱۲۴) اللہ ہی ان نفوس کو جانتا ہے جو اس کی رسالت کے لائق ہیں۔

(۱۰) فاسق اور فاجر کی خبر بغیر گواہی قابل اعتماد نہیں۔ اگر انبیائے کرام بھی فاسق ہوتے تو انہیں اپنی ہر خبر پر گواہی پیش کرنا ہوتی حالانکہ ان کا ہر قول صدہا گواہیوں سے بڑھ کر ہے۔ حضرت ابوخزیمہ انصاری نے اونٹ کے متعلق یہ ہی تو کہا تھا کہ یا حبیب اللہ اونٹ کی تجارت جنت و دوزخ حشر ونشر سے بڑھ کر نہیں۔ جب ہم آپ سے سن کر ان پر ایمان لے آئے تو اس زبان سے سن کر یہ کیوں نہ مان لیں کہ واقعی آپ نے اونٹ لیا ہے جس کے انعام میں ان ایک کی گواہی دو کے برابر کر دی۔

دوسرا باب

عصمت انبیاء پر اعتراضات و جوابات

آئندہ اعتراضات کے تفصیلی جوابات سے پہلے بطور مقدمہ اجمالی جواب عرض کیے دیتا ہوں جس سے بہت سے اعتراضات خود بخود اٹھ جائیں گے وہ یہ کہ عصمت انبیاء قطعی واجماعی مسئلہ ہے اور احادیث جن سے پیغمبروں کا گناہ ثابت ہے۔ اگر متواتر اور قطعی نہیں بلکہ مشہور احاد ہیں۔ وہ سب مردود کوئی بھی قابل اعتبار نہیں۔ اگرچہ صحیح ہی ہوں۔ تفسیر کبیر سورۂ یوسف کی تفسیر میں ہے کہ جو احادیث خلاف انبیاء ہوں وہ قبول نہیں۔ راوی کو جھوٹا ماننا، پیغمبر کو گنہگار ماننے سے آسان ہے اور وہ قرآنی آیات اور متواتر روایات جن سے ان حضرات کا جھوٹ یا کوئی اور گناہ ثابت ہوتا ہو سب واجب التاویل ہیں کہ ان کے ظاہری معنی مراد نہ ہوں گے یا کہا جائے گا کہ یہ واقعات عطائے نبوت سے پہلے کے تھے۔ تفسیرات احمدیہ شریف آیت لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر میں ہے۔ وَاِذَا تَقَرَّرَ ھٰذَا فَمَا نُقِلَ عَنِ الْاَنْبِیَاءِ مِمَّا یُشْعِرُ بِکِذْبٍ اَوْ مَعْصِیَۃٍ فَمَا کَانَ مَنْقُوْلًا بِطَرِیْقِ الْاٰحَادِ فَمَرْدُوْدٌ وَمَا کَانَ مَنْقُوْلًا بِطَرِیْقِ التَّوَاتُرِ فَمَصْرُوْفٌ عَنْ ظَاھِرِہٖ اِنْ اَمْکَنَ وَاِلَّا فَمَحْمُوْلٌ عَلٰی تَرْکِ الْاَوْلٰی اَوْ کَوْنِہٖ قَبْلَ الْبَعْثِ بلکہ مدارج النبوۃ شریف جلد اول باب چہارم میں تو فرمایا کہ اس قسم کی آیتیں متشابہات کی مثل ہیں۔ جن میں خاموشی لازم دیکھو۔ رب تعالیٰ کا قدوس، غنی، علیم، قادر مطلق بلکہ تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہونا قطعی اجماع ہے مگر بعض آیتیں ظاہری معنی کے لحاظ سے اس کے بالکل خلاف ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ (النساء:۱۴۲) وہ رب کو دھوکا دیتے ہیں۔ رب انہیں اور فرماتا ہے۔ مَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ (آل عمران:۵۴) انہوں نے مکر کیا اور اللہ فرماتا ہے فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ (البقرہ:۱۱۵) جدھر تم منہ کرو ادھر ہی رب کا منہ ہے۔ فرماتا ہے یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (الفتح:۱۰) ان کے ہاتھوں

پراللہ کا ہاتھ ہے۔ فرماتا ہے ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (یونس:۳) پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہو گیا۔ رب تعالیٰ چہرہ، ہاتھ، برابری، مکر اور دھوکہ سے پاک اور منزہ ہے اور ان آیتوں میں بظاہر یہ ہی ثابت ہو رہا ہے۔ لہٰذا واجب ہے کہ ان میں تاویل کی جائے بلکہ ان کے حقیقی معنی خدا کے سپرد کیے جائیں جو کوئی ان آیتوں کی وجہ سے رب کو عیب دار مانے وہ بے ایمان ہے۔ ایسے ہی جو کوئی بعض آیتوں کے ظاہری معنی کر کے انبیائے کرام کو فاسق یا مشرک جانے وہ بے دین ہے۔ یہ ایک جواب ہی انشاء اللہ تمام اعتراضات کی جڑ کاٹ دے گا مگر پھر بھی ہم کچھ تفصیلی جواب عرض کئے دیتے ہیں۔

اعتراض (۱): ابلیس نے بھی سجدہ نہ کر کے خدا کی نافرمانی کی اور آدم علیہ السلام نے بھی گندم کھا کر یہ ہی جرم کیا ہے۔ دونوں کو سزا بھی یکساں دی گئی کہ اسے فرشتوں کی جماعت سے اور انہیں جنت سے خارج کر دیا گیا جرم و سزا میں دونوں برابر ہوئے۔ بعد میں آدم علیہ السلام نے توبہ کر کے معافی حاصل کر لی۔ ابلیس نے یہ نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہ تھے (ملحد شحنہ شریعت کانپور)

جواب: شیطان سجدہ نہ کرنے میں مجرم بھی تھا اور سزایاب بھی ہوا۔ آدم علیہ السلام گندم کھانے میں نہ گناہگار تھے اور نہ انہیں کوئی سزا دی گئی کیونکہ شیطان نے دیدہ دانستہ سجدہ سے انکار ہی نہ کیا بلکہ حکم رب کو غلط سمجھ کر اس کے بالمقابل گفتگو کرنیکی ہمت کی کہ بولا خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ جس کی سزا میں فرمایا گیا کہ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ وَاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ گویا یہ زمین اسکے لئے کالے پانی کی طرح سزا کی جگہ تجویز کی گئی کہ وہ قیامت تک یہاں ذلیل و خوار اور لاحول کے کوڑے کھاتا پھرے۔ آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے بار بار اعلان فرمایا کہ وہ بھول گئے۔ انہوں نے گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا۔ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا کہیں فرمایا فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ (البقرہ:۳۶) کہیں فرمایا فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ (الاعراف:۲۰) غرضیکہ اس واقعہ کا ذمہ دار تو شیطان کو بنایا اور ان کے متعلق فرمایا کہ دھوکہ کھا گئے۔ ان سے خطا ہو گئی دھوکہ یہ ہوا کہ ان سے رب نے فرمایا تھا کہ تم اس درخت کے قریب نہ جانا۔ شیطان نے کہا کہ آپ کو کھانے کی ممانعت نہیں۔ وہاں جانے سے روکا گیا ہے۔ آپ وہاں نہ جایئے میں لا دیتا ہوں آپ کھا لیجئے اور جھوٹی قسم کھا گیا کہ یہ پھل فائدہ مند ہے اور میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔ آپ سمجھے کہ کوئی بھی رب کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا یا لَاتَقْرَبَا ممانعت تنزیہی سمجھے۔ اس کی پوری تحقیق ہماری تفسیر کے پہلے پارہ میں اسی آیت کے ماتحت دیکھو یہ تو عملوں میں فرق ہوا۔ اب رہا زمین پر آنا۔ رب تعالیٰ نے انہیں زمین ہی کی خلافت کے لئے پیدا کیا تھا کہ فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً جنت میں تو کچھ روز اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہاں کے مکانات اور باغات وغیرہ دیکھ کر اسی طرح زمین کو آباد کریں گویا وہ جگہ ان کے ٹریننگ کی تھی یا کسی کو ٹریننگ سکول میں ہمیشہ نہیں رکھا جاتا۔ ان کو رلا کر اس لئے بھیجا گیا کہ تمام فرشتوں نے سوائے گریہ زاری ساری عبادتیں کی تھیں۔ دردِ دل ہی تو وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان ملائکہ سے افضل ہوا جنت کا بہانہ تھا در حقیقت اپنے عشق میں رلانا تھا۔ حسنات الابرار سیئات المقربین۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو . ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں
اے خیالِ یار کیا کرنا تھا اور کیا کر دیا . تو تو پردہ میں رہا اور مجھ کو رسوا کر دیا

یہ راز وہ سمجھے جو لذتِ عشق سے واقف ہو۔ رب نے شیطان سے کہا تھا اخرج منہا اور یہاں فرمایا گیا اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا

جواب: یہاں مجازاً خطا کو عصیان فرمایا گیا اور غوی کے معنی گمراہی نہیں بلکہ مقصود نہ پانا ہیں یعنی حیات دائمی کے لئے گندم کھایا تھا۔ دیکھو روح البیان یہ ہی آیت جب رب نے ان کے بھول جانے کا بار بار اعلان فرمایا تو عصی سے گناہ ثابت کرنا کلام اللہ میں تعارض پیدا کرنا ہے۔

اعتراض (۴): ابراہیم علیہ السلام نے چاند سورج بلکہ تاروں کو اپنا خدا مانا کہ فرمایا ھٰذَا رَبِّیْ اور یہ صریحی شرک ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ نے پہلے شرک کیا پھر توبہ کی۔

جواب: اس کا جواب مقدمہ میں گزرا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے بطریق سوال فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے۔ پھر خود ہی اس کا جواب مع دلیل بھی ارشاد کیا کہ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہوا۔ وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ. پھر ستارے دیکھنے کا واقعہ بیان ہوا اور بعد میں فرمایا وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ ملکوت عالم دیکھنے کے بعد ستاروں کا واقعہ ہوا اور رب نے اس کلام کی تعریف فرمائی۔ اگر یہ بات شرک تھی تو تعریف فرمانا کیسا؟ پھر تو سخت عتاب ہونا چاہیے تھا۔

اعتراض (۵): ابراہیم علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا کہ آپ تندرست تھے مگر قوم سے فرمایا انی سقیم (قرآن) میں بیمار ہوں۔ خود بتوں کو توڑا مگر قوم کے پوچھنے پر فرمایا۔ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا۔ اس بڑے بت نے یہ کام کیا۔ اپنی بیوی حضرت سارہ کو فرمایا ھٰذِہٖ اختی یہ میری بہن ہیں اور یقیناً جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہیں۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ بحالت مجبوری جبکہ جان کا خطرہ ہو تو جھوٹ گناہ نہیں حتیٰ کہ ایسی مجبوری میں منہ سے کفر بھی نکال دینے کی اجازت ہے۔ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ جن موقعوں پر آپ نے یہ کلام فرمائے وہاں یا تو خطرۂ جان تھا یا خطرۂ عصمت تھا۔ وہ ظالم بادشاہ آپ سے حضرت سارہ کو جبراً چھیننا چاہتا تھا اور دوسرے موقعوں پر آپ کو خطرۂ جان تھا اس لئے یہ فرمایا (روح البیان آیت بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ لہٰذا یہ فعل گناہ نہ ہوا۔ دوسرے یہ کہ ان میں سے کوئی کلام جھوٹ نہیں بلکہ اس میں بعید معنی مراد لئے گئے ہیں جسے توریہ کہتے ہیں۔ توریہ ضرورۃً جائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑھیا سے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہ جائے گی۔ دیکھو ایک شخص نے اونٹ مانگا تو فرمایا کہ تجھے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ ایک صحابی کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ وغیرہ (مشکوٰۃ باب المزاح) حضرت سارہ کو بہن فرمانے سے دینی بہن مراد تھی نہ کہ نسبی۔ جیسے کہ داؤد علیہ السلام کے پاس دو فرشتے بشکل مدعی مدعی علیہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ هٰذَآ اَخِیْ ۫ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً "یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ۹۹ بکریاں ہیں۔ یہاں بھائی اور بکریوں کے مجازی معنی مراد ہیں۔ ایسے ہی آپ کا یہ فرمانا کہ انی سقیم اس کے معنی ہیں میں بیمار ہونے والا ہوں نہ کہ فی الحال بیمار جیسے اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ یا سقیم سے دلی بیماری یعنی ناراضی و رنج مراد ہے۔ یعنی میرا دل تم سے ناراض ہے۔ اسی طرح بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ میں کبیر سے رب تعالیٰ مراد ہے اور ھٰذَا سے اسی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کفار رب تعالیٰ کو بڑا خدا اور بتوں کو چھوٹے معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اس رب کا ہے جسے تم ان سب سے بڑا سمجھتے ہو نبی کا کام رب کا ہی کام ہے۔ وہ سمجھے کہ اس بڑے سے بڑا بت مراد ہے یا فَعَلَهٗ شک کے طریقہ پر فرمایا یعنی بڑے بت نے کیا ہوگا اور شک انشاء ہے جس میں جھوٹ سچ کا احتمال نہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رب

نے یہ واقعات بیان فرماتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام پر کوئی عتاب نہ فرمایا بلکہ انہیں پسندیدگی کی سند عطا فرمائی۔ چنانچہ بت شکنی کے بیان سے پہلے فرمایا۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا اِبْرٰھِیْمَ رُشْدَہٗ الآیہ معلوم ہوا کہ آپ کا یہ فعل رشدو ہدایت تھا اور ظاہر ہے کہ جھوٹ رشد نہیں۔ بیماری کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اِذْ جَآءَ رَبَّہٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ (الصافات:۸۴) جس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام سلامت طبیعت پر دلالت کرتا ہے اور جھوٹ بیماری ہے نہ کہ سلامتی۔

اعتراض (۶): داؤد علیہ السلام نے پرائی عورت یعنی اوریا کی بیوی کو نظر بد سے دیکھا جس کا واقعہ سورۂ ص میں ہے اور یہ فعل یقیناً جرم ہے۔

جواب: مؤرخین نے داؤد علیہ السلام کے قصہ میں بہت کچھ زیادتی کر دی ہے اور جو کچھ احادیث احاد میں ہے وہ بھی نامقبول۔ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو کوئی داؤد علیہ السلام کا قصہ قصے کہانیوں کی طرح بیان کریگا میں اسے ایک سو ساٹھ کوڑے لگاؤں گا یعنی تہمت کی سزا ۸۰ کوڑے ہیں اس کو دگنے لگیں گے (روح البیان سورۂ ص قصہ داؤد) واقعہ صرف یہ تھا کہ ایک شخص اوریا نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ داؤد علیہ السلام نے بھی اپنے پیغام پر پیغام دے دیا۔ اس نے آپ کے ساتھ نکاح کر لیا اور یہ شخص نکاح نہ کر سکا۔ چنانچہ تفسیرات احمدیہ آیت لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر میں ہے۔ وَعَنْ دَاوٗدَ بِکَوْنِهٖ اِقْدَامًا عَلَی الْفِعْلِ الْمَشْرُوْعِ وَھُوَ نِکَاحُ الْمَخْطُوْبَۃِ لِاَوْرِیَا لَا تَطَرُّہٗ مَنْکُوْحَتَہٗ مگر چونکہ اس جائز کام سے بھی نبوت کی شان بلند و بالا ہے اس لئے رب تعالیٰ نے ان کے احترام کو زیادہ فرماتے ہوئے دو فرشتوں کو ایک فرضی مقدمہ لے کر بھیجا اور انہوں نے اپنی طرف نسبت کر کے آپ سے فیصلہ کرا کر اشارۃً سمجھا دیا۔ سبحان اللہ کیا شان ہے اور انبیاء کا رب تعالیٰ کے ہاں کتنا احترام ہے کہ نہایت عمدہ طریقہ سے انہیں معاملہ سمجھایا گیا۔ رب تو ان کی عظمت فرمائے اور یہ بے دین ان حضرات پر نظر بد کا اتہام لگائیں خدا کی پناہ۔

اعتراض (۷): یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی زلیخا سے گناہ کا ارادہ کیا جسے رب فرما رہا ہے۔ وَلَقَدْ ھَمَّتْ بِهٖ وَھَمَّ بِھَا لَوْ لَا اَنْ رَّاٰ بُرْھَانَ رَبِّهٖ (یوسف:۲۴) یعنی زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور انہوں نے زلیخا کا ارادہ کر لیا۔ اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے تو نہ معلوم کیا ہو جاتا۔ دیکھو یہ کتنا بڑا گناہ تھا جو یوسف علیہ السلام سے صادر ہوا؟

جواب: یوسف علیہ السلام ارادۂ گناہ تو کیا اس خیال سے بھی محفوظ رہے جو کہے کہ انہوں نے اس کا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ کافر ہے روح البیان میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔ فَمَنْ نَسَبَ اِلَی الْاَنْبِیَآءِ الْفَوَاحِشَ کَالْعَزْمِ عَلَی الزِّنَاءِ وَنَحْوِهٖ الَّذِیْ یَقُوْلُہٗ الْحَشْوِیَّۃُ کَفَرَ لِاَنَّہٗ شَتْمٌ لَّھُمْ کَذَا فِی الْقُنْیَۃِ. رہا تمہارا اعتراض اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ وَلَقَدْ ھَمَّتْ بِهٖ پر وقف کر دو اور ھَمَّ بِھَا سے علیحدہ آیت شروع ہو۔ معنی یہ ہوئے کہ بیشک زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا قصد کر لیا اور وہ بھی قصد کر لیتے۔ اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے۔ اب کوئی اعتراض نہ رہا۔ یہ معنی نقلاً و عقلاً ہر طرح صحیح ہیں۔ خازن نے فرمایا کہ اصل عبارت یہ ہے وَلَوْ لَا اَنْ رَّاٰ بُرْھَانَ رَبِّهٖ لَھَمَّ بِھَا۔ مدارک شریف میں ہے کہ وَمِنْ حَقِّ الْقَارِیْ اِذَا قَدَّرَ خُرُوْجَہٗ مِنْ حُکْمِ الْقَسَمِ وَجَعَلَہٗ کَلَامًا بِرَاْسِهٖ اَنْ یَّقِفَ عَلٰی بِهٖ وَیَبْتَدِیَ بِقَوْلِهٖ وَھَمَّ بِھَا قاری کو چاہیے کہ بہ پر وقف کرے و رھم بہا سے آیت شروع کرے اور یہ ہی بات قرین قیاس بھی ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس مقام پر زلیخا کی تو

تیاریاں بیان فرمائیں وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ (یوسف:۲۳) کہ اس نے آپ کو ہر طرح راغب کرنے کی کوشش بھی کی اور بلایا بھی دروازہ بھی بند کرلیا۔ مگر یوسف علیہ السلام کی بیزاری نفرت وعصمت کا ہی ذکر فرمایا۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْ اَحْسَنَ مَثْوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (یوسف:۲۳) خدا کی پناہ وہ میرا مربی ہے اس کے مجھ پر احسانات ہیں۔ ایسی حرکت ظلم ہے اور ظالم کامیاب نہیں۔

اور پھر فرمایا کَذٰلِکَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ فحشاء سے زنا اور سوء سے ارادہ زنا مراد ہے۔ معلوم ہوا کہ رب نے ارادہ زنا سے بھی ان کو محفوظ رکھا۔ آخر کار زلیخا نے بھی یہ ہی کہا کہ

اَلْاٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ (یوسف:۵۱) کہ میں نے ہی انہیں رغبت دینے کی کوشش کی تھی۔

وہ تو سچے ہیں بلکہ شیر خوار بچے سے بھی ان کی پاکدامنی اور زلیخا کی خطا کاری کی گواہی دلوادی کہ وشھد شاھد من اھلھا عزیز مصر نے بھی یہ ہی کہا یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْبِکِ اِنَّکِ کُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِیْنَ (یوسف:۲۹) اے زلیخا تم اپنے گناہ سے توبہ کرو تم ہی خطا کار ہو۔ دیکھو شیر خوار بچے عزیز مصر خود زلیخا بلکہ خود رب تعالیٰ نے ان کے لئے بے گناہ ہونے پر گواہیاں دیں۔ اگر زلیخا کی طرح وہ بھی ارادہ گناہ کر لیتے تو آپ بھی ملزم ہوتے اور یہ گواہیاں غلط ہو جاتیں اور وہاں صرف یہ ہوتا کہ زلیخا نے جرم کی ابتداء کی مگر بعد میں آپ بھی شریک ہو گئے۔ نیز اگر یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کیا ہوتا تو ان کی توبہ اور استغفار کا ذکر ضرور آتا۔ تفسیر مدارک میں ہے۔ وَلَاَنَّهٗ لَوْ وُجِدَ مِنْهُ ذٰلِکَ لَذُکِرَتْ تَوْبَتُهٗ وَاسْتِغْفَارُهٗ غرضیکہ اس آیت کے یہ معنی کرنا بہت بہتر ہیں کہ وہ بھی ارادہ کر لیتے اگر رب کی برھان نہ دیکھتے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا لولا کا جواب اس پر مقدم بھی ہو سکتا ہے جیسے آیت میں ہے۔ اِنْ کَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا (القصص:۱۰) (تفسیر کبیر آیت وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ)

دوسری تفسیر یہ ہے کہ بہ پر وقف نہ کرو بلکہ بہا تک ایک ہی جملہ مانو اور آیت کے معنی یہ ہوں کہ بے شک زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور انہوں نے زلیخا کا ھم کرلیا۔ لیکن اب ان دونوں ہمتوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ هَمَّتْ بِهٖ میں هَمّ کے معنی ارادہ زنا ہیں اور ھم بھا میں اس کے معنی ہیں۔ قلب کی غیر اختیاری رغبت جس کے ساتھ قصد نہیں ہوتا یعنی زلیخا نے تو یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا اور ان کے دل میں رغبت غیر اختیاری پیدا ہوئی جو کہ نہ گناہ ہے نہ جرم جیسے کہ روزہ میں ٹھنڈا پانی دیکھ کر اس طرف دل راغب تو ہوتا ہے مگر اس کے پی لینے کا ارادہ تو کیا خیال تک نہیں ہوتا۔ صرف ٹھنڈا ٹھنڈا پانی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اگر دونوں ہمتوں کے ایک ہی معنے ہوتے تو دو جگہ یہ لفظ نہ بولا جاتا بلکہ وَلَقَدْ هَمَّا تثنیہ سے کہہ دینا کافی تھا۔ یعنی ان دونوں نے قصد کرلیا۔ دیکھو مَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰهُ کہ یہاں پہلے مکر کے معنی ہی اور ہیں اور دوسرے مکر کا مقصد ہی کچھ اور تفسیر خازن میں ہے۔ قَالَ الْاِمَامُ فَخْرُ الدِّیْنِ اِنَّ یُوْسُفَ عَلَیْهِ السَّلَامُ کَانَ بَرِیْئًا مِنَ الْعَمَلِ الْبَاطِلِ وَالْهَمِّ الْمُحَرَّمِ خیال رہے کہ زلیخا نے دروازہ پر عزیز مصر کو دیکھ کر یوسف علیہ السلام کو زنا کی تہمت نہ لگائی بلکہ ارادہ زنا کی کہ کہا قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِکَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ یُّسْجَنَ (یوسف:۲۵) جو تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرنے اس کی سزا جیل کے سوا اور کیا ہے۔ اسی کی تردید یوسف علیہ السلام نے فرمائی کہ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ (یوسف:۲۶) بدکاری کا ارادہ اسی نے کیا تھا۔ اس کی تردید شیر خوار بچہ نے بھی کی اور اس

کی تردید خود عزیز مصر نے قمیص مبارک پھٹی ہوئی دیکھ کر کی کہ کہا اِنَّہٗ مِنْ کَیْدِکُنَّ (یوسف:۲۸) اور اس کی تردید مصری عورتوں نے بھی کی اور اس کی تردید آخر کار خود زلیخا نے بھی کر کے اپنا جرم قبول کر لیا۔ اب اگر ھَمَّ بِھَا کے یہ معنی ہوں کہ یوسف علیہ السلام نے ارادۂ زنا کر لیا تھا تو لازم آتا ہے کہ رب تعالیٰ نے زلیخا کی تائید کی اور ان سب حضرات کی تردید اور یہ کلام کے مقصد کے خلاف ہے۔ یہ تقریر بہت خیال رہے ان شاء اللہ کام آئے گی۔

اعتراض (۸): موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو جان سے مار دیا اور فرمایا ھٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ (القصص:۱۵) کہ یہ شیطانی کام ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ نے ظلماً قتل کیا جو کہ بڑا جرم ہے۔

جواب: آپ کا ارادہ قتل کا نہ تھا بلکہ قبطی ظالم سے مظلوم اسرائیلی کو چھڑانا تھا۔ جب قبطی نے نہ چھوڑا۔ آپ نے ہٹانے کے لئے چپت لگا دی۔ وہ طاقت نبی کی نہ برداشت کر سکا مر گیا تو یہ قتل خطاء ہوا اور انبیاء سے خطا ہو سکتی ہے۔ نیز یہ واقعہ عطائے نبوت سے پہلے کا ہے۔ روح البیان میں ہے کَانَ ھٰذَا قَبْلَ النُّبُوَّۃِ نیز وہ قبطی کافر حربی تھا جس کا قتل جرم نہیں' آپ نے تو ایک ہی قبطی کو مارا۔ کچھ دنوں بعد تو سارے ہی قبطی غرق کر دیئے گئے۔ رہا اس فعل کو عمل شیطان فرمانا۔ یہ آپ کی انتہائی کسر نفسی اور عاجزی کا اظہار ہے کہ خلاف اولیٰ کام کو بھی اپنی خطا سمجھا یعنی یہ کام وقت سے پہلے ہو گیا۔ جب قبطیوں کی ہلاکت کا وقت آتا تو یہ بھی ہلاک ہوتا فَغَفَرَ لَہٗ' اور ظَلَمْتُ نَفْسِیْ سے دھوکا نہ کھاؤ کہ یہ الفاظ خطا پر بھی بولے جاتے ہیں یا ہٰذا سے قبطی کا ظلم مراد ہے یعنی یہ ظلم شیطانی کام ہے۔

اعتراض (۹): رب تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی (الضحیٰ:۷) معلوم ہوا کہ آپ بھی پہلے گمراہ تھے بعد کو ہدایت ملی۔

جواب: یہاں جو کوئی ضال کے معنی گمراہ کرے وہ خود گمراہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی (النجم:۲) تمہارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نہ کبھی گمراہ ہوئے نہ بہکے

یہاں ضال کے معنی وارفتہ محبت الٰہی ہیں اور ہدایت سے مراد درجہ سلوک ہے۔ یعنی رب نے آپ کو اپنی محبت میں سرشار اور دارفتہ پایا تو آپ کو سلوک عطا فرمایا۔ برادران یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا تھا اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ (یوسف:۹۵) یَا اِنَّا اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (یوسف:۸) یہاں ضل بمعنی وارفتگی محبت ہیں۔ شیخ عبدالحق نے مدارج النبوت جلد اول باب پنجم میں فرمایا کہ عربی میں ضال وہ اونچا درخت ہے جس سے گئے ہوئے لوگ ہدایت پائیں۔ یعنی اے محبوب ہدایت دینے والا بلند و بالا درخت رب نے تمہیں کو پایا کہ جو عرش فرش ہر جگہ سے نظر آئے۔ لہٰذا تمہارے ذریعہ خلقت کو ہدایت دے دی یعنی ھدیٰ کا مفعول عام لوگ ہیں نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بھی اس کے بہت سے معنی کیے گئے ہیں۔

اعتراض (۱۰): رب فرماتا ہے۔ لِیَغْفِرَلَکَ اللّٰہُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح:۲) یعنی تا کہ رب تعالیٰ تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کرے۔ معلوم ہوا کہ آپ گنہگار تھے۔ حضور علیہ السلام بھی ہمیشہ اپنے لئے دعائے مغفرت کرتے تھے۔ اگر گنہگار نہ تھے تو استغفار کیسی؟

جواب: اس کے چند جواب ہیں' ایک یہ کہ مغفرت سے مراد عصمت اور حفاظت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ آپ کو ہمیشہ گناہوں

سے محفوظ رکھے۔ روح البیان اَلْمُرَادُ بِالْمَغْفِرَةِ اَلْحِفْظُ وَالْعِصْمَةُ اَزَلًا وَاَبَدًا. فَيَكُوْنُ الْمَعْنٰى يَسْتَحْفِظُكَ وَيَعْصِمُكَ مِنَ الذَّنْبِ الْمُتَقَدِّمِ وَالْمُتَاَخِّرِ دوسرے یہ کہ ذنب سے نبوت سے پہلے کی خطائیں مراد نہیں۔ تیسرے یہ کہ ذنبک میں ایک مضاف پوشیدہ ہے یعنی آپ کی امت کے گناہ جیسا کہ لک فرمانے سے معلوم ہوا۔ یعنی تمہاری وجہ سے تمہاری امت کے گناہ معاف کرے۔ اگر آپ کے گناہ مراد ہوتے تو لک سے کیا فائدہ ہوتا۔ (روح البیان وخازن) اس آیت کی تفسیر دوسری آیت ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا (الآیہ) کبھی گناہ کی نسبت گنہگار کی طرف ہوتی ہے اور کبھی بخشش کے ذمہ دار کی طرف جیسے مقدمہ کبھی مجرم کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی وکیل کی طرف کہ وکیل کہتا ہے کہ یہ میرا مقدمہ ہے جس کا میں ذمہ دار ہوں یہاں نسبت دوسری طرح کی ہے۔ آپ کے ذمہ دار بے گناہ جن کی شفاعت کے آپ ذمہ دار ہیں۔

اعتراض (۱۱): حضور علیہ السلام سے رب نے فرمایا وَلَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا (الاسراء:۷۴) اگر ہم آپ کو نہ ثابت قدم رکھتے تو قریب تھا کہ آپ کفار کی طرف کچھ مائل ہو جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کفار کی طرف مائل ہو چلے تھے مگر رب نے روکا اور کفر کی طرف میلان بھی گناہ ہے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں شرط و جزا ہے یعنی یہ قضیہ شرطیہ ہے جس میں دونوں مقدموں کا ہونا تو کیا امکان بھی ضروری نہیں۔ رب فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (الزخرف:۸۱) اگر رب کے بیٹا ہوتا تو اس کا پہلا پجاری میں ہوتا۔ نہ خدا کا بیٹا ہونا ممکن اور نہ نبی علیہ السلام کا اس کی پوجا کرنا۔ ایسے ہی یہاں نہ تو رب تعالیٰ کا حضور علیہ السلام کو محفوظ نہ رکھنا ممکن اور نہ نبی علیہ السلام کا اس کی پوجا کرنا ایسے ہی یہاں نہ تو رب تعالیٰ کا حضور علیہ السلام کو محفوظ نہ رکھنا ممکن اور نہ آپ کا ان کی طرف مائل ہونا ممکن۔ دوسرے یہ کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر ہم آپ کو پہلے ہی سے معصوم اور ثابت قدم نہ فرما چکے ہوتے تو آپ ان کی طرف کسی قدر جھکنے کے قریب ہو جاتے کیونکہ ان کے مکر وفریب بہت سخت خطرناک تھے یعنی چونکہ آپ معصوم ہیں لہٰذا آپ کفار کی طرف نہ جھکے بلکہ جھکنے کے قریب بھی نہ ہوئے۔ اس سے تو آپ کی عصمت ثابت ہوئی۔ دیکھو خازن، مدارک، روح البیان۔ تیسرے یہ کہ ایک تو حضور علیہ السلام کی طبیعت مبارکہ ہے۔ دوسرے آپ کی نبوت اور عصمت الٰہی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت وعصمت سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی آپ کی فطرت پاک عیب اور گناہوں سے ایسی پاک ہے جس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کیونکہ آپ کی روحانیت بشریت پر غالب ہے یعنی اگر ہم آپ کو معصوم بھی نہ بناتے تب بھی آپ کفار سے ملتے نہیں، ان کی طرف جھکتے نہیں بلکہ کچھ جھکنے کے قریب ہو جاتے۔ اب جبکہ فطرت سلیمہ پر رب کا یہ کرم ہوا کہ آپ کو معصوم بھی بنایا، سر مبارک پر نبوت کا تاج بھی رکھا۔ اب تو سبحان اللہ کیا ہی کہنا۔ کسی قصور کی گنجائش ہی نہیں۔ اس کی تفسیر میں روح البیان میں ہے۔ اِنَّمَا سَمَّاهُ قَلِيْلًا لِاَنَّ رُوْحَانِيَّةَ النَّبِيِّ كَانَتْ فِيْ اَصْلِ الْخِلْقَةِ غَالِبًا عَلَى الْبَشَرِيَّةِ اِذْ لَمْ يَكُنْ حِيْنَئِذٍ لِرُوْحِهٖ شَيْءٌ يَحْجُبُهٗ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَالْمَعْنٰى لَوْلَا التَّثَبُّتُ وَقُوَّةُ النُّبُوَّةِ وَ نُوْرُ الْهِدَايَةِ وَاَثَرُ نَظْرِ الْعِنَايَةِ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ.

اعتراض (۱۲): رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ (الشوریٰ:۵۲) اے نبی علیہ السلام آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام پیدائشی عارف باللہ نہیں آپ کو نہ ... نہ ... خبر